اقبال کا مکالمہ-عصر حاضر سے

ڈاکٹر صابر آفاقی

خلاصہ

اقبال وسعت علم ونظر اور وسیع القلبی کے اوصاف کی بدولت شاعر انسانیت تھے جنھیں نہ کسی نظریے سے بے جا نفرت تھی اور نہ کسی عقیدے سے بے جواز محبت۔ نظریے کی وسعت اور فکر کی یہی رفعت اقبال کو شاعر انسانیت کا اعزاز عطا کرتی ہے۔ سرسید اور غالب کے بعد اقبال برصغیر کے تیسرے عظیم مفکر ہیں جنھوں نے بین المذاہب ہم آہنگی اور بین الاقوامی حسن تفاہم کے فروغ کی جدوجہد کی۔ اقبال نے اپنے کلام میں نانک، مہاتما بدھ، رام، نیٹشے اور قرۃ العین طاہرہ سے حسن عقیدت کا اظہار کیا جو اپنے اپنے مذاہب کی نمایندہ شخصیات ہیں۔ شاعر انسانیت ہوتے ہوئے اقبال نے امن کے فروغ کی خاطر تہذیبوں اور قوموں کو مکالمے کی دعوت دی۔ اللہ کے رب العالمین اور رسول اللہؐ کے رحمت للعالمین ہونے کو اقبال جنگوں کے خاتمے کی دو دلیلوں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اقبال نے مذہبی تنگ نظری اور تعصب کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کو ساری قوموں پر شفیق و مہربان ہونے کی تعلیم دی۔ اقبال کے نزدیک تہذیبوں کے درمیان مکالمے کی مضبوط اساس احترامِ آدمیت ہے جو تمام قوموں کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی بحالی سے عبارت ہے۔

علامہ اقبال نے دنیا بھر کے فکر و فلسفہ، شعر و ادب اور تصوف و عرفان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ انھوں نے مشرق و مغرب کی اہم ادبی، دینی اور سیاسی شخصیات کے افکار و خیالات سے بھرپور استفادہ فرمایا تھا۔ یہ شاعر انسانیت ایک وسیع القلب فیلسوف اور مفکر کی حیثیت سے ہمیشہ حکمت و دانائی کا جویا رہا۔ اسے نہ کسی نظریے سے بے جا نفرت تھی اور نہ کسی عقیدے سے بے جواز محبت۔ وہ نہ مشرق سے دوستی رکھتا تھا نہ مغرب سے بیر۔ مشرق و مغرب کے بارے میں وہ کہتا ہے:

مشرق خراب و مغرب ازان بیشتر خراب
عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجوست[1]

اقبال دراصل ارتقائے انسانیت کا قافلہ سالار اور صبحِ انقلاب کا مؤذن تھا۔ وہ ستاروں سے آگے کے جہانوں کا رمز آشنا اور اعلیٰ منازل کا مسافر تھا۔ اس کے نزدیک زندگی ''ہر دم جواں پیہم رواں'' ہے۔ جس کی کوئی منزل آخری منزل نہیں۔ نظریے کی یہی وسعت اور فکر کی یہی رفعت اقبال کو شاعر انسانیت کی مسند پر بٹھاتی ہے۔

مستقبلیات کے معروف ایلون ٹوفلر نے Creation of New Civilizations میں پہلے ہزاریے کو زراعت کا دوسرے کو صنعت کا اور تیسرے کو میڈیے کا ہزاریہ قرار دیا ہے[2] مگر میں اس سفر کو دوسری طرح دیکھتا ہوں میرے نزدیک پہلا قتل و قتال، دوسرا بحث و جدال اور تیسرا مکالمہ وحسن مقال کا ہزاریہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز سے ہی انسانی ذہن و شعور نے انگڑائی لی اور ایک عالمی سماج کا احساس پیدا ہونے لگا۔ نت نئے سائنسی انکشافات اور گوناگوں ذرائع ابلاغ کی ایجاد نے بلند و بالا پہاڑوں، وسیع صحراؤں اور گہرے سمندروں کی رکاوٹیں ہٹا دیں۔ اس قیامت خیز تبدیلی نے زمین کی طنابیں کھینچ لیں اور کرۂ ارض کو ایک ہی شہر بنا دیا۔

دست نامرئی نے دھرتی کی طنابیں کھینچ لیں
فاصلہ قلب بشر میں اب کہاں رہ جائے گا[3]

سائنس اور ٹکنالوجی کی پیش رفت سے جغرافیائی سرحدیں کالعدم ہوگئیں۔ ملکوں کے درمیان فاصلے کم ہوگئے۔ مگر اس تبدیلی کا ایک خطرناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ متعدد مغربی اقوام، مشرقی اور افریقائی ممالک پر چڑھ دوڑیں۔ ۱۸۳۰ء سے لے کر ۱۹۱۲ء تک کی مختصر سی مدت میں الجیریا، تیونس، مراکش، مصر، سوڈان، لیبیا اور برصغیر مغرب کے طالع آزماؤں کے قبضے میں چلے گئے۔ انسان کے مادی قرب نے اس کے ذہنوں کی

خلیج وسیع کردی۔ ان غاصبانہ اقتدارات کے نتیجے میں مسلم مفکرین کا نوآبادیاتی تسلط کے سامنے مزاحمت کا رویہ اختیار کرنا قدرتی امر تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج کے عالم گیر تشدد آمیز رویوں کا سراغ اسی استعمار پرور صدی میں تلاش کرنا ہوگا۔ اس عہد میں مذاہب کے درمیان مناظرہ و مجادلہ کا آغاز ہوا۔ سرسیّد نے انیسویں صدی میں اہل مذہب کی صورت حال جس طرح بیان کی ہے ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے اس کا حوالہ یوں دیا ہے: ''(مذہبی لوگ) غیر مذہب سے دوستی و محبت اور ان کے ساتھ ہمدردی کو کفر والحاد جانتے ہیں۔ ان کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ سوائے اپنے اور کسی کو دیکھ نہیں سکتے''[۴] ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے لکھا ہے کہ ۱۸۳۵ء میں برصغیر کے آٹھ ہزار علما نے انگریزی زبان کی تعلیم کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔[۵] دوسری طرف سرسید نے ۱۸۶۵ء میں تبیین الکلام جیسی اہم کتاب لکھ کر برصغیر میں بین المذاہب مکالمے اور اعتدال پسندی کی روایت قائم کی اور حاکم و محکوم کے درمیان حسن تفاہم کا ایک پل تعمیر کیا۔ یہی وہ دور تھا جب ترکی میں نامق پاشا، مصر میں محمد عبدہ، ایران میں سید علی محمد باب اور شام میں شکیب ارسلان نے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں فکر و عمل کی نئی راہیں دکھائیں۔ شکیب ارسلان نوآبادیاتی نظاموں کے خلاف نبرد آزمائی کے حق میں نہ تھا وہ اسباب زوالِ اُمت میں لکھتا ہے: ہمارے تنگ خیال لوگوں نے اسلام کو جو نقصانات پہنچائے وہ ملحدوں کے نقصانات سے کسی طرح کم نہیں۔ تنگ خیال قدامت پسندوں نے اسلام کے دشمنوں کا راستہ صاف کردیا۔[۶]

ادھر برصغیر میں مرزا غالب نے روشن خیالی، برداشت اور مسالمت کا فلسفہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر مذاہب کے اصل عقائد و تعلیمات کو ظاہری رسوم سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو یکتائی کا نظام روبہ عمل آسکتا ہے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں[۷]

غالب کو سنگین حالات نے کرۂ ارض کی بقا اور نسل انسانی کی سلامتی کو جنگوں کے بجائے باہمی گفت وشنید، میل ملاپ، ملاقات اور مذاکرات کے ذریعے یقینی بنانے کی راہ دکھائی تھی۔

سرسید اور غالب کے بعد برصغیر کا تیسرا عظیم مفکر اور شاعر اقبال تھا جس نے بین المذاہب ہم آہنگی اور بین الاقوامی حسن تفاہم کے فروغ کے لیے جدوجہد کی۔ فکر اقبال کا پس منظر جاننے کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ اقبال کشمیر کا برہمن زادہ تھا۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است[۸]

وہی کشمیر جسے بدھ مت کے علما نے مقدس سرزمین قرار دیا۔ وہی بہشت زمین جہاں مذاہب کے درمیان ہمیشہ ہم آہنگی رہی۔ وہی خطہ گل و لالہ جہاں تاریخ کے کسی دور میں بھی مقامی پنڈتوں اور مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ اقبال کے اجداد میں بابا لول حج نے صوفیہ کے سلسلہ ریشیہ کے بانی شیخ نورالدین ولی (متوفی ۸۴۲ھ) کے چوتھے خلیفہ بابا نصیر الدین کے ذریعے اسلام قبول کیا تھا۔

یہ شیخ نورالدین صلح کل کی روش کے باعث ہندوؤں میں نندرشی کہلاتے ہیں۔ وسیع محبت، رواداری اور برداشت کی یہی توانا روایت آگے چل کر شیخ نور محمد کے ذریعے ان کے لائق فرزند علامہ اقبال تک پہنچی۔ غالب کی طرح اقبال بھی تنازع للبقا کے قائل نہ تھے۔ بلکہ تعاون للبقا کے مبلغ تھے کہ کائنات کے تمام عناصر باہمی تعاون و ایثار ہی کی بدولت زندہ و فعال ہیں۔ اقبال پیام مشرق کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔

اقبال نے مختلف مذاہب سے وابستہ شخصیات کو خراجِ عقیدت پیش کر کے تہذیبوں کے درمیان قصرِ مذاکرہ کی خشت اول رکھی اور اس امر کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ وہ نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں کہ حرم ہو یا دیر ہر جگہ محبت کی باتیں ہی ہوتیں ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دونوں ادارے ایک دوسرے سے بےخبر اور لاتعلق ہیں۔

چہ حرم چہ دیر ہر جا سخنی ز آشنائی
مگر اینکہ کس زرازِ من و تو خبر ندارد[۹]

اقبال نے نانک، رام، نٹشے اور قرۃ العین طاہرہ سے حسن عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ جو اپنے اپنے مذاہب کی نمایندہ شخصیات ہیں۔ ان کے علاوہ علامہ نے جاوید نامہ کے سفرِ افلاک کے دوران گوتم بدھ، زرتشت، مزدک اور مسیح سے حتیٰ کہ فرعون و ابلیس سے بھی مکالمہ کیا ہے۔

آپ نانک کے بارے میں کہتے ہیں:

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے[۱۰]

''رام'' کے عنوان سے ان کی نظم کا یہ خوبصورت شعر دیکھیے:

ہے رام کے وجود سے ہندوستان کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند[۱۱]

نٹشے کو آدھا مومن قرار دیتے ہوئے کہا:

آنکہ بر طرح حرم بت خانہ ساخت
قلب او مومن دماغش کافر است[۱۲]

اقبال نے ایران کی انقلابی بہائی شاعرہ قرۃ العین طاہرہ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

غالب و حلاج و خاتون عجم
شورہا افگندہ در جان حرم[۱۳]

قرۃ العین طاہرہ نے ۱۸۵۰ء میں تعصّبات و تاریکی کے پرآشوب دور میں ایک تابناک مستقبل کا خواب دیکھا اور کہا صبح ہدایت طلوع ہوگئی اور کائناتِ انفس و آفاق منور ہو رہی ہے۔ دیرینہ عداوتوں کا حکم اٹھالیا گیا اور اب انس و محبت کی بساط بچھائی جارہی ہے۔

ہاں صبح ہدیٰ فرمود آغاز تنفس
روشن ہمہ عالم شد ز آفاق و ز انفس
مرفوع شود حکم خلاف از ہمہ آفاق
تبدیلی شود اصل تباین بہ تجانس[۱۴]

اقبال نے پہلی عالم گیر جنگ کے دوران اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا کہ دنیا میں سیاسی، معاشی، اقتصادی، صنعتی اور تمدنی تبدیلیاں آرہی ہیں اور قوموں کے درمیان قرب و تعاون کا آغاز ہو چکا ہے۔ اقبال قرۃ العین طاہرہ کی ہم نوائی میں کہتا ہے:

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک[۱۵]

اقبال کی ایک فارسی غزل کے ایک شعر کا مفہوم یوں ہے کہ زندگی نئے جہاں کی تعمیر کر رہی ہے۔

چشم بکشای اگر چشم تو صاحب نظر است
زندگی در پئے تعمیر جہاں دگر است[۱۶]

وہ ہمیں پرانی تہذیب کے کھنڈرات پر نئی عمارت کھڑی کرنے کا احساس دلاتے ہیں:

وقت آنست کہ آئین دگر تازہ کنیم
لوح دل پاک بشوئیم و زسرتازہ کنیم[۱۷]

میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کا فلسفہ چار بنیادی موضوعات کی تفسیر و تعبیر کا عکاس ہے۔

کرہ ارض میں ساری قومیں ''کنفس واحدۃ'' ہیں۔ گلوب ایک ہی شہر ہے۔ نوع انسانی عشق کی بدولت ایک عالم گیر انسانی برادری میں متحد ہو رہی ہے۔ ارتقا کا لامتغیّر قانون فطرت ستاروں سے آگے کے جہانوں کی تسخیر کی طرف بشر کی رہنمائی کر رہا ہے۔ وہ ان چار موضوعات کو ''آئین نو'' سے تعبیر کرتے

ہیں۔ جس سے ڈرنا قوموں کی ارتقا پذیر زندگی میں ایک دشوار گذار منزل بن جاتا ہے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پر اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں[۱۸]

آج ہمیں عصری تقاضوں کے تناظر میں اقبال کو از سرنو دریافت کرنا ہوگا۔ ایک ایسے اقبال کو جو قریۂ عالمی کے تصور سے بھی آگے آفاقیت کا فلسفہ پیش کرتا اور کہتا ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

شاعر انسانیت اقبال اقوام کا سچا محسن ہے کہ اس نے بیسویں صدی میں تہذیبوں کو سمجھنے تمدنوں کو جاننے اور متنوع ثقافتوں کو پہچاننے کا ہنر ہمیں سکھایا۔ اس نے انسان کو امن کے فروغ کی خاطر اس عہد میں مکالمے کی دعوت دی جب اکثر قومیں ''ھل من مبارز'' کا نعرہ لگاتے ہوئے میدان جنگ میں اتر چکی تھیں۔ شعرا میں اقبال وہ عظیم مفکر ہے جس نے امن عالم اور صلح جہانی کا حیات بخش پیغام دیا۔

باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجویان را بدہ پیغام صلح[۱۹]

یہ فلسفی شاعر جنگوں کے خاتمے کے لیے دو دلیلیں پیش کرتا ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ خدائے یکتا تمام مخلوق کا خالق اور کل مذاہب کا معبود ہے۔ وہ ساری کائنات پر مہربان و رحیم ہے اور اس کی عنایات مومن و کافر تک پہنچتی ہیں۔ لہٰذا انسانوں کو بلاتفریق مذہب و ملت سب پر مہربان و رحیم ہونا چاہیے۔ وہ مسلم امہ کے لیے کہتے ہیں:

آب و نانِ ما ست از یک مائدہ
دودۂ آدم کنفس واحدہ[۲۰]

اقبال دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ ایک ایسے نبی امم اور پیغمبر انسانیت کے پیرو ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمتہ للعالمین'' کے لقب سے نوازا ہے، بنابریں مسلمانوں کو عالم گیر محبت، وسیع اتحاد، بے ریا رواداری اور عدم تشدد کا نمونہ بننا چاہیے۔

ما ز حکم نسبت او ملتیم
اہل عالم را پیام رحمتیم[۲۱]

قوموں کے درمیان بات چیت، میل ملاپ، گفت وشنید اور افہام و تفہیم کی راہ میں چار عناصر حائل نظر آتے ہیں اور اقبال نے ان عناصرِ اربعہ کے مضرات کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔ وہ عناصر یہ ہیں۔ تقلید، تعصّبات اور جمود، ہوس ملک گیری، ہوسِ اقتدار اور ہوسِ مال وزر نے ملتوں کو برسر پیکار کر رکھا ہے۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا[۲۲]
یہی مقصود فطرت ہے یہی راز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی[۲۳]

اقبال اندھی تقلید کے سخت خلاف نظر آتا ہے اور بلا تحقیق دوسروں کی راہ پر چلنے کو ایک عذاب سے کم نہیں سمجھتا۔ وہ نصیحت کرتا ہے کہ اپنا راستہ اپنے ہی تیشے سے تراشنا چاہیے۔

تراش از تیشہ خود جادۂ خویش
براہِ دیگران رفتن عذاب است
گر از دست تو کار نادر آید
گناہی ہم اگر باشد ثواب است[۲۴]

اقبال ایسا انسان دوست شاعر ہے جو محدود وطن پرستی اور ہر نوع کے مذہبی و نسلی تعصّبات کی مذمت کرتا نظر آتا ہے۔ وہ مذہب کو ایک قوی ترین سماجی اور روحانی طاقت سمجھتا ہے۔ اس حکیمِ انسانیت کے نزدیک کوئی مذہب آپس میں عداوت، نفرت اور بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ اقبال کا مذہب آدمی کو سراپا محبت بنا کر بے کراں ہونے کا درس دیتا ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اقبال دھرتی کے باسیوں کی نجات محبت میں دیکھتا ہے۔

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

اقبال کہتا ہے کہ

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم واز یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم[۲۵]

ہمیں سب سے پہلے بے رنگ و بو آدم بننا ہے۔ اس کے بعد ہم کسی ملک سے منسوب ہو سکتے ہیں کہ اقبال کا دائرہ انسانیت، مذہب و وطن کے دائروں سے وسیع تر ہے۔

ہنوز از ہند آب و گل نہ رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من

من اول آدم بے رنگ و بویم
ازان پس ہندی وتورانیم من[۲۶]

اقبال نے وطن پرستی کے پیراہن کو مذہب کا کفن قرار دیا ہے۔

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیراہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے[۲۷]

تاریخ کے قدموں کی چاپ سننے والا اقبال، سارے جہاں کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ وہ ایک دعائیہ شعر میں کہتا ہے:

بستۂ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری زبان
نوع انساں قوم ہو میری، وطن سارا جہاں[۲۸]

اقبال نے مذہبی تنگ نظری اور تعصب کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا کہ ایک سچے مسلمان کا طرزِعمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ ساری قوموں پر شفیق و مہربان ہو۔ اس مرحلے پر اقبال مومن و کافر میں کسی فرق کو بلاجواز قرار دیتا ہے۔ وہ کعبہ و بت خانہ کو ایک ہی خدائے رحیم و رحمان کی جلوہ گاہ سمجھتا ہے۔

فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بت خانہ
این جلوت جانانہ آن خلوت جانانہ[۲۹]

حقیقی عشق کا مذہب آزادگان خلقت کو شفقت و رحمت سے متخلّق ہونا سکھاتا ہے۔

حرفِ بد را برلب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خدا است
بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
کفرودیں را گیر در پہنائے دل
دل اگر بگریزد از دل وائے دل[۳۰]

قریہ عالمی کا شاعر اقبال مذہب و تمدن کی اساس احترام آدمیت پر استوار کرتا ہے۔ یہ نظریہ معروضی حالات میں بے حد اہم ہے کہ یہ ہر قسم کے باہمی تعاون کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اقبال مذکورہ تین اشعار میں اسلامی عقائد و تعلیمات کے خلاف بات نہیں کرتا بلکہ مذہب و وطن سے وابستہ رہتے ہوئے مذاہب و اوطان کا احترام کرنا سکھاتا ہے کہ قرآن نے اسی تکریم آدم کے قانون کو ماننے کا حکم دیا ہے۔

اقبال غیر مسلم اقلیتوں کے تمام سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی بحالی کو شرط آدمیت قرار دیتا ہے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی[۳۱]

تہذیبوں کے درمیان مذاکرہ ومکالمہ کا راستہ یہی احترام آموز رویہ ہموار کرتا ہے۔ اقبال ہر نوع کے جنگ وجدال کی نفی کرتے ہوئے محبت اور دل نوازی کو فاتح عالم قرار دیتا ہے۔ یہ نہایت بلیغ اور خوبصورت شعر دیکھیے:

بہ ملازمانِ سلطان خبری دہم زرازی
کہ جہاں توان گرفتن بہ نوائے دل گدازی[۳۲]

اقبال کو یقین ہے کہ زمین پر صلح وآشتی کا ایک انقلابی اور منفعت بخش نظام آ رہا ہے۔ جو نسل انسانی کی بقا کا ضامن ہوگا، وہ اس مثبت نظام کو ''الاّ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

در مقام ''لا'' نیاساید حیات
سوی ''الاّ'' می خرامد کائنات[۳۳]

اقبال زندگی میں حرکت، تبدیلی، انقلاب اور ارتقا کا قائل ہے۔ وہ جمود کو موت سمجھتا ہے کہ زندگی کی مثال موج آب کی سی ہے۔

موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم گر نروم نیستم[۳۴]

ایسی کوششوں کو سراہتے ہوئے جو ہماری نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے عالمی بنادیں اقبال پیام مشرق کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد واقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو، قابل احترام ہے۔[۳۲]

متخاصم اقوام اور متحارب قوتوں کے مابین صلح وآشتی کے فروغ کے لیے اقبال نے ''آئین وصال'' کی اصطلاح وضع کی ہے۔

قطرہ ہا دریاست از آئین وصل
ذرّہ ہا صحراست از آئین وصل[۳۵]

حق بات یہ ہے کہ اقبال فصل کا نہیں وصل کا، آویزش کا نہیں آمیزش کا، انقطاع کا نہیں اتصال کا، ستیزہ کاری کا نہیں بردباری کا، تشدد کا نہیں تلطف کا، افتراق کا نہیں اتفاق کا شاعر ہے۔ اگر آزادی سے پہلے لہو کو گرم رکھنے کے لیے جھپٹنا ضروری تھا تو آج عالمی دور میں لہو کو ٹھنڈا کرنے کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

اقبال کے فارسی اور اُردو کلام میں عصر حاضر کے حوالے سے متعدد عالمی مسائل پر راہنمائی ملتی ہے کہ اقبال شاعرِ فردا کی نوا تھا۔

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم
من نوائے شاعر فرداستم [۳۶]

اقبال نئی دنیا کی تعمیر اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں فرماتے ہیں کہ:
باد بہاری سے کہہ دو کہ وہ میرے خیال اور مدعا کو سمجھے اور وادی ودشت کو اس طرح کے نقش ونگار سے آراستہ کرے جیسے میں چاہتا ہوں۔

باد بہار رابگو، پے بخیالِ من برد
وادی ودشت را دہد نقش ونگار این چنین [۳۷]

یہ عجیب بات ہے کہ ان کے کلام میں مسئلہ کشمیر پر ہندو پاک کی موجودہ سیاسی کشیدگی پر بھی رہنمائی ملتی ہے۔مثنوی پس چہ باید کرد میں اقبال کشمیر کے لیے 'ہمالہ' پاکستان کے لیے 'دریائے اٹک' اور بھارت کے لیے 'رودگنگا' کی علامتیں استعمال کر کے تینوں قوموں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم کب تک اپنے مسائل کا حل تلاش نہیں کرو گے۔تم کب تک نفرتوں بدگمانیوں اور وسوسوں کی فضا میں رہو گے۔تم کب تک سیاسی اقتصادی، تجارتی، مذہبی اور ثقافتی زندگیوں کو بے رونق، بے مزا، بے جان اور بے آب ورنگ بنائے رکھو گے۔اقبال کی روح ان تینوں ملکوں سے اس اہم سوال کا جواب سننے کے لیے آج بھی بے تاب ہے۔

اے ہمالہ اے اٹک اے رُود گنگ
زیستن تا کے چنان بی آب و رنگ [۳۸]

حوالے

۱- اقبال،''زبورعجم''، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۵ء، ص۴۴۲۔

۲- The Way out of Dead End، ص۱۲۔

۳- ڈاکٹر صابر آفاقی، سارے جہاں کا درد۔

۴- سرسید احمد خاں، تہذیب الاخلاق، ۱۸۸۰ء، ص۳۷۲۔

۵- ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سرسید احمد خان اور جدت پسندی، ۲۰۰۲ء۔

۶- زوال امت بحوالہ، سرسید احمد خان اور جدت پسندی، ۲۰۰۲ء۔

۷- دیوان غالب، تاج کمپنی، لاہور۔

۸- اقبال،''زبورعجم''، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۵ء، ص۴۰۵۔

۹- ایضاً، ص۴۴۹۔

۱۰- اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، الفیصل لاہور، ص۱۸۴۔

۱۱- ایضاً، ص۱۳۴۔

۱۲- اقبال،''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۳۷۱۔

۱۳- اقبال-''جاوید نامہ'' کلیات اقبال (فارسی)، ص۴۰۷۔

۱۴- ڈاکٹر صابر آفاقی، قرۃ العین طاہرہ، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص۱۰۶۔

۱۵- اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، الفیصل لاہور، ص۱۹۵۔

۱۶- اقبال،''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۳۶۲۔

۱۷- اقبال''اسرار رموز''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۱۶۱۔

۱۸- اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، ص۱۳۲۔

۱۹- اقبال،''اسرار رموز''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۴۶۔

۲۰- اقبال''جاوید نامہ''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۶۶۹۔

۲۱- اقبال،''اسرار رموز''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۱۰۱۔

۲۲- اقبال،''بانگ درا''، کلیات اقبال (اُردو)، ص۲۱۱۔

۲۳- ایضاً، ص۲۰۸۔

۲۴- اقبال،''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۲۲۹۔

۲۵- ایضاً، ص۲۲۲۔
۲۶- ایضاً، ص۲۴۸۔
۲۷- اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، ص۱۲۱۔
۲۸- ایضاً، ص۳۰۔
۲۹- اقبال، ''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۳۳۵۔
۳۰- اقبال، ''جاوید نامہ''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۷۹۳۔
۳۱- ایضاً، ص۷۹۳۔
۳۲- اقبال، ''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۳۲۰۔
۳۳- اقبال، ''پس چہ باید کرد''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۸۱۵۔
۳۴- اقبال، ''پیام مشرق''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۲۹۸۔
۳۵- اقبال، ''اسرار رموز''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۵۷۔
۳۶- ایضاً، ص۶۔
۳۷- اقبال، ''زبور عجم''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۴۱۰۔
۳۸- اقبال، ''پس چہ باید کرد''، کلیات اقبال (فارسی)، ص۸۲۹۔